باب: 30

امام ابو حنیفہؒ
(700 - 768 AD)

آپ کا نام نعمان، ابو حنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب ہے۔ امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے آپ کی حقیقی کنیت نہیں۔ آپ کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ دراصل یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ قرآن میں ہے، **فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا**، پس تم ملت ابراہیمؑ کی استقامت و مضبوطی سے پیروی کرو، (ال عمران:95)۔ چنانچہ امام نے اسی نسبت سے اپنی کنیت "ابوالملۃ الحنیفۃ" اختیار کی۔ آپ کوفہ میں 80AH/700AD میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ثابت بن زوطی ہے۔ ابو مطیع نے آپ کو نسلِ عرب سے شمار کیا ہے۔ کیونکہ جب آپ کے والد اپنے بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ لیکن دراصل آپ عجمی النسل تھے اور آپ کا تعلق نسلِ فارس سے ہے۔

آپ کے باپ دادا کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اس لیے آپ کی عام نشو و نما ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہی ہوئی۔ چنانچہ ابتدا میں آپ کی تعلیم کا کوئی باقاعدہ سلسلہ نہ تھا۔ آپ کے بچپن کا زمانہ نہایت ہی پُر آشوب تھا۔ پہلے حجاج بن یوسف اور پھر ولید کی حکوت آئی اور ان دونوں ادوار میں آپ کو علم کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل پایا۔ لیکن اس کے بعد سلیمان کا دور شروع ہوا تو عراق میں علم کے چرچے عام ہوئے تب آپ کے دل میں بھی اس کی تحریک پیدا ہوئی۔ حسنِ اتفاق سے ان ہی دنوں آپ ایک روز بازار سے گذر رہے تھے کہ امام شعبیؒ سے جو اُس وقت کوفہ کے امام تھے، ملاقات ہوگئی۔ امام صاحب نے آپ سے پوچھا تم پڑھتے کس سے ہو۔۔؟ آپ نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبیؒ نے آپ سے کہا "تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو"۔ اس نصیحت نے آپ کے دل میں گھر کرلیا اور پھر آپ تحصیلِ علم کی طرف بھرپور متوجہ ہوگئے۔

آپ کو خدا نے حسنِ سیرت کے ساتھ جمالِ صورت بھی دیا تھا۔ درمیانہ قد اور خوشرو تھے۔ گفتگو نہایت شیریں، بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون کیوں نہ ہو آپ نہایت فصاحت سے اس پر روشنی ڈال سکتے تھے۔ مزاج میں تکلف تھا۔ اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ آپ اگرچہ دربار سے کبھی متعلق نہ رہے لیکن اکثر اس قسم کی ٹوپی استعمال کرتے تھے جو امراٗ اور دربار کے ساتھ مخصوص تھی۔

اگرچہ آپ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم حضرت انس بن مالکؓ جو آنحضرتؐ کے خادم خاص تھے اور 93AH/712AD میں وفات پائی، کو آپ نے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی ادنیٰ بھی اس زمانے میں کوفہ میں موجود تھے۔ اسی لیے ابو حنیفہؒ کو تابعی کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام جب تک عرب تک محدود رہا اس کے مسائل بھی محدود رہے۔ لیکن فارس اور مصر و شام پہنچ کر اس میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ اعتقادی مسائل میں بھی پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں۔ راویوں کے اختلاف سے مختلف فرقے بنتے گئے۔ اہلِ حق جو اس وقت تک ان چیزوں سے الگ تھے ان کو بھی مخالفت کی ضرورت پیش آگئی اور پھر بحث کا سلسلہ چل پڑا۔ اس کے نتیجے میں باقاعدہ "علم الکلام" پیدا ہو گیا۔ ابو حنیفہؒ کے وقت تک علم الکلام کی تحصیل کے لیے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرت نے آپ کو ان چیزوں سے نواز بھی رکھا تھا۔ یوں سب سے پہلے آپ نے علم الکلام ہی کی طرف توجہ کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس فن میں آپ نے وہ کمال پیدا کر لیا کہ بڑے بڑے اساتذہ بحث کرنے میں آپ سے کترانے لگے۔ شہر بصرہ اُن دنوں مباحث کا جیسے دنگل تھا۔ تجارت کی غرض سے جب آپ بصرہ جاتے تو اکثر بحثیں ہوتیں اور آپ ہمیشہ ان سب پر غالب آجاتے۔ شروع شروع میں تو ابو حنیفہؒ اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا آپ کی طبیعت اس کے لیے رکتی چلی گئی۔ اس بارے میں خود آپ کا بیان ہے کہ "۔۔۔ پہلے میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا لیکن بعد میں خیال آیا کہ صحابہؓ کرام ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت اُن سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ان علم الکلام والوں کا طرزِ عمل کیا ہے۔ یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ۔ لہٰذا مجھے اس سے بے دلی سی پیدا ہو گئی۔۔۔"۔

حضرت حماد اُن دنوں کوفہ کے مشہور امام اور استادِ وقت تھے۔ وہ حضرت انسؓ سے بھی مستفید ہو چکے تھے۔ ابو حنیفہؒ نے ان سے فقہ پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی دنوں میں آپ کے استاد آپ کی ذہانت اور حافظہ سے

اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو اپنے درس میں سب سے آگے بٹھانے لگے۔ آپ چونکہ مسائلِ فقہ کی مجتہدانہ تحقیق کرنا چاہتے تھے لہٰذا حدیث کی تعلیم کے بغیر اپنی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے اسی زمانے میں آپ نے حدیث بھی پڑھی۔ اُس وقت تک حدیثیں غیر مرتب تھیں۔ اور بڑے بڑے اساتذہ بھی دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھ پاتے تھے۔ اور یہ تعداد ضروری مسائل کے لیے ناکافی تھی۔ یوں آپ نے کوفہ کے ہر امام کے پاس پہنچ کر احادیث کو اکھٹا کرنا شروع کر دیا۔ ان میں اس وقت کے بڑے شیوخ امام شعبیؒ اور امام شعبہؒ بھی شامل ہیں۔ آپ نے عراق کی درسگاہوں سے احادیث کا بڑا ذخیرہ اکھٹا کیا مگر تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ مکہ پہنچے۔ اس زمانے میں وہاں درس و تدریس کا سلسلہ زوروں پر تھا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح، جو مشہور تابعی تھے اور کئی صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی رہے تھے، کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ ابو حنیفہؒ استفادہ کی غرض سے جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے احتیاطاً پہلے ان کا عقیدہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا "۔۔۔ میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا۔ گناہ گار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضاء اور قدر کا قائل ہوں۔۔۔"۔ حضرت عطاء جواب سے مطمئن ہوئے اور آپ کو اپنے درس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ جلد ہی آپ نے حضرت عطاء کے دل میں جگہ بھی پالی۔ مکہ میں حضرت عطاء کے علاوہ آپ نے حضرت مکرمہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔

102AH/721AD میں آپ مدینہ پہنچے۔ یہاں پر آپ نے حضرت سلیمان (جو ام المؤمنین حضرتہ میمونہؓ کے غلام بھی رہے تھے اور اس وقت فقہائے سبعہ میں دوسرے نمبر پر تھے) حدیثیں حاصل کیں۔ اس کے علاوہ حضرت فاروق کے پوتے حضرت سالم سے بھی مل کر حدیثیں روایت کیں۔ مدینہ میں آپ امام باقرؒ سے بھی ملے۔ اور پھر ان کے فرزند حضرت جعفر صادقؒ کے فیض صحبت سے بھی آپ کو بہت فائدہ ہوا۔

ابو حفص کبیر کا دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کم از کم 4000 شخصیات سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام کی علمی ترقی کی اہم وجہ ان کی بڑے بڑے اہلِ کمال کی صحبتیں تھیں۔ آپ کے حرمین کے سفر کے اختتام تک آپ کی شہرت ایک بڑے اور قابل عالم کے بہ طور ہر طرف پھیل گئی۔ نوبت یہ آگئی کہ جس شہر یا گاؤں میں آپ کا گذر ہوتا وہاں آدمیوں کا آپ سے ملنے کے لیے ایک اژدھام لگ جاتا۔ آپ کوفہ پہنچے اور تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو صورت یہ ہو گئی کہ اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر آپ کے حلقۂ تدریس میں آملیں۔ یہاں تک کہ خود آپ کے اساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرنے لگے اور دوسروں کو بھی ترغیب دینے لگے۔

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ بڑے کاروبار کے باوجود آپ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی نہ کمائیں۔ اس احتیاط میں کبھی نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔ تجارت اور دولت سے آپ کا مقصود، عوام کو فائدہ پہنچانا ہوتا۔ شاگردوں میں آپ جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی کفالت کرتے۔ جو شخص مفلسی کے سبب تعلیم سے محروم رہتا اس کی مدد کر کے اس کے لیے تعلیم کی راہ ہموار کرتے۔

اس دولتمندی اور عظمت و شان کے باوجود آپ نہایت متواضع، حلیم اور خلیق تھے۔ کسی کو تکلیف اور رنج میں دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے۔ گستاخی کا جواب تحمل ہوتا۔ بُرا کہنے والوں کو آپ درگذر کر دیتے۔ آپ عابد و زاہد تھے۔ نہایت خلوص سے عبادت کرتے۔ اکثر نماز میں یا قرآن پڑھتے وقت رقّت طاری ہو جاتی۔ اور اکثر دیر تک رویا کرتے۔

ابو حنیفہؒ کی ذہانت مثالی تھی۔ مشکل سے مشکل مسائل میں آپ کا ذہن اس تیزی سے چلتا تھا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک شخص کسی بات پر اپنی بیگم سے ناراض ہو گیا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ "جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی، میں تجھ سے نہیں بولوں گا"۔ عورت تند مزاج تھی اس نے بھی قسم کھا لی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ غصہ ٹھنڈا ہونے پر دونوں کو افسوس ہوا۔ شوہر شہر کے امام کے پاس گیا اور واقعہ بیان کیا۔ امام نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہو گا۔ شوہر مایوس ہو کر اٹھا اور ابو حنیفہؒ کے پاس پہنچا اور کہا آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔ آپ نے کہا جاؤ اور جا کر شوق سے باتیں کرو، تم پر کوئی کفارہ نہیں۔ امام کو معلوم ہوا تو وہ نہایت برہم ہوئے اور ابو حنیفہؒ کے پاس جا کر کہا کہ یہ کیا آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتاتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ نے امام کو کہا کہ میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔ اور وضاحت کی کہ جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے تو بولنے کی ابتدا ہو چکی، پھر قسم کہاں باقی رہی۔ امام نے کہا، "ابو حنیفہؒ جو بات تم کو وقت پر سوجھ جاتی ہے ہمارا وہاں تک خیال بھی نہیں جاتا"۔

ایک دفعہ بہت سے خارجی، ابو حنیفہؒ کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فوراً کہا "ہاں میں تمھارے کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یوں ابو حنیفہؒ نے دراصل گناہوں سے توبہ کی۔ ان کے ساتھیوں نے کہا ابو حنیفہؒ نے تم سے دھوکا کیا، اس کا مطلب تو کچھ اور تھا۔ انہوں نے ابو حنیفہؒ کو پھر جا کر پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ آپ نے کہا تم کو اس بات کا یقین ہے یا محض گمان ہے۔ بولے کہ گمان ہے۔ کہا، اب تو تم کو توبہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ گمان کرنا گناہ ہے۔

ایک اور واقعہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص ابو حنیفہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے روپے ایک جگہ رکھ دیئے ہیں اور اب یاد نہیں آرہا کہ کہاں رکھے ہیں۔ مجھ کو سخت ضرورت پڑگئی ہے کوئی تدبیر بتایئے۔ آپ نے کہا بھائی یہ کوئی فقہ کا مسئلہ تو نہیں لیکن پھر بھی مشورہ دیتا ہوں کہ جاؤ اور جا کر ساری رات نماز پڑھو۔ اس نے اس پر عمل شروع کیا۔ نماز کی ابتدا ہی کی تھی کہ جلد ہی اسے یاد آگیا کہ اس نے روپے کہاں رکھے تھے۔ دوڑا ہوا آپ کے پاس پہنچا اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر کام آئی۔ آپ نے فرمایا کہ، شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر عبادت کرو لہٰذا اس نے جلد یاد دلا دیا۔ لیکن یہ مناسب ہوتا کہ تم اللہ کے شکر میں رات بھر جاگتے اور عبادت کرتے۔

تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ہی ہوگئی تھی لیکن اس کی تدوین و ترتیب یعنی باقاعدہ کتابی شکل میں لانے کا عمل پوری ایک صدی کے بعد شروع ہوا۔ اصولِ اربعہ کی توضیح، حدیث کے مراتب اور ان کے احکام، جرح اور تعدیل کے اصول، اجماع کے حدود اور ضوابط، قیاس کے احکام اور شرائط وغیرہ یہ ایسے مسائل ہیں جو اصولِ فقہ کے ارکان کہلاتے ہیں۔ ان سب کے لیے امام ابو حنیفہؒ نے ضروری اصول اور قاعدے مرتب کئے۔ اس سے قبل صحابہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جو فقیہ کہلاتے تھے وہ زیادہ تر کوفہ میں رہے۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بن گیا تھا۔ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ نے بھی کتابیں لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابو حنیفہ نے انفرادی کوشش کی جگہ اسلامی قانون کی تدوین کو اجتماعی طور سے کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ آپ ہی بانیٔ فقہ کہلائے۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے 40 ماہرین قانون منتخب کرکے ایک اکیڈمی قائم کی۔ اس کام کا بنیادی طریقہ یہ تھا کہ ایک فرضی سوال پیش کیا جاتا کہ اگر یوں ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ پھر اس مسئلے پر طویل بحث ہوتی۔ جب سب لوگ ایک نتیجے پر پہنچ جاتے تو اس اکیڈمی کے سیکریٹری امام ابو یوسفؒ اسے لکھ لیا کرتے۔ یوں امام ابو حنیفہؒ نے ایک کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں "فتاویٰ ابو حنیفہ" پوری سلطنت میں سرکاری قانون کی حیثیت سے نافذ تھا۔ مغلوں کے دور میں اکثر خاندان، حنفی تھے۔ محمود غزنوی کی فقہ حنفی پر کتاب 'التفرید' مشہور ہے۔ نورالدین زنگی، مصر کے چرکسی، ہندوستان کے آلِ تیمور سب حنفی المذہب تھے۔ اورنگ زیب کے دور کی "فتاویٰ عالمگیری" فقہ حنفیہ کی عمدہ کتاب ہے۔ ترکی خلافت جو تقریباً 625 سال تک رہی ان کے زیادہ تر خلفاء حنفی مسلک رکھتے تھے۔ موجودہ برصغیر ہندو پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ افغانستان میں اکثریت حنفیوں کی ہے۔

125AH/743AD کے بعد جب یزید الناقص کا دورِ حکومت آیا تو عراق کے بڑے بڑے فقہا کو ملکی خدمات پر فائز کیا جانے لگا۔ امام صاحبؒ کو بھی خزانہ کا عہدہ دیا گیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ یزید نے ضد کی اور آپ کو ہر طرح سے مجبور کرنا شروع کر دیا۔ آپ کسی طور راضی نہ ہوئے۔ یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ انہیں ہر روز دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل بھی ہوئی لیکن آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر تھک کر یزید نے آپ کو چھوڑ دیا۔

132AH/750AD میں بنواُمیہ کا خاتمہ ہوا اور آلِ عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ عراق میں جب منصور تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی امام صاحبؒ کے لیے قاضی کا عہدہ تجویز کیا۔ آپ نے اُسے بھی انکار کیا اور مسلسل انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ 146 AH/764AD میں آپ کو قید کا حکم ہو گیا۔ قید خانہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم رہا۔ امام محمد، جو کہ فقہ ِحنفی کے دست و بازو جانے جاتے ہیں، قید خانہ میں آپ سے درس لیتے رہے۔ یوں منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ میں بھی باقی رہا۔ جس کی آخری تدبیر اسے یہ سوجھی کہ بے خبری میں آپ کو زہر دلوا دیا۔ جب آپ کو زہر کا احساس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔ یوں 150AH/768AD میں آپ کے انتقال پر ہی آپ کو قید سے رہائی ملی۔

آپ کے انتقال پر سارا بغداد اُمنڈ آیا۔ آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی 6 بار جنازہ کی نماز پڑھائی گئی۔ تاریخ دان خطیب نے لکھا ہے کہ تدفین کے بعد بھی 20 روز تک لوگ آپ کے جنازہ کی نماز پڑھتے رہے۔ آپ کے قبولِ عام کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔۔۔؟

سلطان الپ ارسلان نے سنہ 459AH/1067AD میں آپ کی قبر پر ایک گنبد تعمیر کروایا۔ اور ساتھ ہی اس نے ایک مدرسہ اور مسافر خانہ بھی قائم کیا۔ مدرسہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا باوا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اسی سنہ میں لیکن اس کے بعد تعمیر ہوا۔ یوں بغداد کا یہ پہلا مدرسہ تھا۔ یہ مدرسہ مشہد ابو حنیفہؒ کے نام سے مشہور رہے۔ جس محلے میں آپ کا مقبرہ واقع ہے وہ امام اعظمؒ کے نام پر آج بھی "اعظمیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کی تعلیمات اور فکر و آگہی کی جو دولت آپ نے لوگوں میں تقسیم کی اس سے آج بھی لوگ مالا مال ہیں اور آیندہ بھی مستفید ہوتے رہیں گے۔